© rasailojaraid.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نظرات

آہ! علامہ طنطاوی جوہری!

گذشتہ ماہ فروری میں مصر اور ہندوستان کے دو بڑے عالموں نے وفات پائی مصر کے مشہور عالم علامہ طنطاوی جوہری عہد حاضر میں اُن مسلمانوں کے خواب کی سچی تعبیر تھے جو علومِ جدیدہ کی خیرہ کن جگمگاہٹ سے مرعوب ہو کر ایسے جید عالم کی تلاش میں رہتے ہیں جو ان علوم کے مقابلہ میں اسلامی و قرآنی حقائق کی فوقیت اس تحقیقی انداز میں ثابت کر سکے کہ بڑے سے بڑے ماہر علوم کو بھی مجال انکار باقی نہ رہے۔ وہ جس طرح دینیات اور علوم قرآن و حدیث میں یگانۂ روزگار تھے، اُسی طرح اُن کو جدید علوم، علم نباتات، علم حیوانات، فلسفہ، سائنس، تاریخ، اور علم ہیئت و طبقاتِ ارض میں بھی بڑی دستگاہ تھی پھر ان سب فضیلتوں پر مستزاد یہ کہ اُن کا ذوق نہایت مستقیم، اور طبیعت انتہا درجہ سلیم تھی۔ ان کی قوت فیصلہ درست، اور ملکۂ تنقید صائب تھا۔ بے شبہ اُنھوں نے اس دور میں وہی کام کیا جو امام غزالیؒ اور ابن رشد نے فلسفۂ یونان کے مقابلہ میں اسلام کی حفاظت و صیانت کے لیے انجام دیا۔ اِن دونوں بزرگوں نے فلسفۂ یونان کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا اور اُس میں وہ کمال پیدا کیا کہ فلسفہ کے ایک ایک جزیہ اور مسئلہ پر حاوی ہو گئے۔ پھر فلسفہ کے جو اصول حق بجانب تھے اُن کو اسلام کی تعلیمات پر منطبق کیا، اور جو لغو و لاطائل باتیں تھیں اُن کا تار و پود "تہافت الفلاسفہ" لکھ کر اس تحقیق و کمال اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیدہ وری کے ساتھ کھولا کہ فلسفہ کا خلعتِ زریں ایک گداگر عقل وخرد کی گدڑی میں تبدیل ہو کر رہ گیا۔

علامہ طنطاوی ۱۲۸۷ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم مروجہ کی تحصیل وتکمیل کے بعد قاہرہ کے مدرسہ دار العلوم میں اُستاذ مقرر ہو گئے۔ درس وتدریس کے شغل کے ساتھ اُنھوں نے تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی برابر جاری رکھا۔ اور متعدد قابل قدر کتابیں تصنیف کیں جن میں چند اہم کتابیں یہ ہیں (۱) الارواح، (۲) اصل العالم، (۳) این الانسان، (۴) التاج المرصع بجواهر القرآن والعلوم، (۵) جمال العالم، (۶) الزهرة، (۷) السر العجيب فی حكمة تعدد ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (۸) میزان الجواهر فی عجائب هذا الكون الباهر، (۹) نظام العالم والامم، (۱۰) النظام والاسلام، (۱۱) نهضة الامة وحياتها، الحكمة والحكماء۔ مرحوم کو دینیات کے ساتھ علوم جدیدہ کی آمیزش میں خاص کمال حاصل تھا۔ چنانچہ اُن کی کوئی کتاب اس خصوصیت سے خالی نہیں ہے، اُن کا یہ نظریہ بالکل صحیح ہے جس کا اظہار اُنھوں نے اپنی تفسیر میں جابجا کیا ہے کہ مسلمانوں کے انحطاط کی اصل وجہ اُن کا ذہنی ودماغی جمود ہے۔ اوّل تو ان میں تعلیم یافتہ ہی کتنے ہیں؟ اور جو تعلیم یافتہ ہیں بھی تو اُن کا مبلغ علم اس سے زیادہ نہیں کہ چند پرانی کتابیں پڑھ پڑھا کر کسی مسئلہ پر بحث کی نوبت آئے تو دو چار بزرگوں کے اقوال نقل کر دیں اور بس۔ دماغی بیداری جو کائناتِ عالم اور فطرت کے عمیق مطالعہ سے اور اُس سے نتائج اخذ کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور جس کی طرف قرآنِ مجید نے بار بار مسلمانوں کو دعوت دی ہے۔ وہ اُن سے یک قلم سلب کر لی گئی ہے۔ اب اُن کا علم جو کچھ بھی ہے محض تقلیدی ہے۔ اجتہادی نہیں یہی وجہ ہے کہ اُن کے افکار مضمحل، قوت استنباط بیکار، اور صلاحیت تنقید مردہ ہے۔ وہ ماضی کی حکایاتِ پارینہ سُنا کر چند آنسو تو بہا سکتے ہیں، لیکن زمانہ حال کے پیغام سے فائدہ اُٹھا کر اپنے مستقبل کو سنوارنے اور بنانے کا کوئی اہتمام نہیں کر سکتے۔ وہ دوسروں کے بنائے ہوئے زمین وآسمان میں امن وعافیت کی زندگی بسر کرنے کے خواہشمند ہیں لیکن اب اُن میں خود یہ حوصلہ نہیں ہے کہ اپنی قوت "ید اللّٰہی" سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام لے کر ایک نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کریں اور دنیا کو اُس کے سایہ میں پناہ لینے کی دعوت دیں۔ علامہ مرحوم کا بھی وہ جذبہ تھا جس سے متاثر ہو کر اُنھوں نے اخیر میں قرآن مجید کی ایک نہایت اہم تفسیر لکھنے کا عزم بالجزم کیا۔ اور انجام کار سالہا سال کی شب و روز کی محنت شاقہ کے بعد اس کو پچیس ضخیم ضخیم جلدوں میں ختم کر کے اُن کے رہوار قلم نے دم لیا۔ اس تفسیر کے مقصد کی توضیح وہ شروع میں خود اس طرح کرتے ہیں:-

"میں نے یہ تفسیر اس غرض سے لکھی ہے کہ کیا عجب ہے اللہ تعالیٰ اس کو حُسن قبول کے خلعت سے سرفراز فرمائے اور عام مسلمانوں کی آنکھوں پر جو جہل و نادانی کے پردے پڑے ہوئے ہیں وہ اُٹھ جائیں اور وہ علوم فطریہ کو سمجھنے لگیں۔ انہیں آسمانی عجائب کے معلوم کرنے کا شوق ہو، اور جو زمین کی حیرت انگیز چیزیں ہیں اُن کی تحقیق پر وہ مائل ہوں۔ مجھ کو اُمید ہے کہ اس تفسیر کی وجہ سے مسلمانوں کی تہذیب بہت بلند ہو جائیگی اور وہ علوی و سفلی دنیاؤں کے نوادر کا علم حاصل کر کے زراعت، طب، معدنیات حساب، ہندسہ، فلکیات اور تاریخ جغرافیہ وغیرہ علوم میں کمال پیدا کر کے علماءِ مغرب سے بھی سبقت لیجائیںگے، اور یہ کیوں نہ ہو جبکہ علم الفقہ کی آیتیں تو صرف ڈیڑھ سو ہی ہیں، لیکن علوم و فنون کی آیات سات سو پچاس سے بھی متجاوز ہیں"۔

جن اہل علم کو علامہ مرحوم کی تفسیر "الجواہر فی تفسیر القرآن الحکیم" کے مطالعہ کی سعادت نصیب ہوئی ہے، وہ جانتے ہیں کہ آپ نے جس مقصد کے پیش نظر اس اہم تفسیر کا آغاز کیا تھا وہ اس میں کس حد تک کامیاب ہو سکے ہیں۔ امام رازی کی تفسیر کبیر کی طرح ممکن ہے بعض لوگ اس تفسیر کی نسبت بھی یہ کہیں کہ قرآن مجید تو بنی نوع انسانی کی اخلاقی، روحانی اور دینی و عملی اصلاح کی کتاب الٰہی ہے بھلا اسے فلسفہ و تاریخ اور علوم عصریہ سے کیا تعلق، کہ اس کی تفسیر میں ان چیزوں سے بحث کی جائے لیکن اصل یہ ہے کہ علوم عصریہ کی روشنی میں علامہ نے جو بحثیں کی ہیں اُن سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ قرآن مجید کس طرح کائناتِ عالم اور فطرت کے مطالعہ کی دعوت دیتا ہے تاکہ اُن کے علم کے بعد جس طرح معلول سے علت، کسی فعل سے اُس کے فاعل کی طرف ذہن منتقل ہوجاتا ہے اُسی طرح مخلوق سے خالق، اُس کے وجود، اُس کی ربوبیت اور الوہیت کی طرف ذہن کا نہ صرف انتقال ہو بلکہ اس کا اذعان و تیقن پیدا ہوجائے۔ اور انسان ان تمام سلسلہ اسباب و علل سے متجاوز ہوکر اپنے وجود کو صرف اُس وراء الوراء ذاتِ احدیت کے ساتھ مربوط کرلے جس کی مشیت و قدرت ان تمام کل پرزوں کو ایک خاص نظام کے ساتھ چلا رہی ہے اور حق یہ ہے کہ دین دنیا کی تمام سعادتوں کا سرچشمہ صرف ایک یہی اذعان ہے جس کو قرآن مجید کی تمام تعلیمات کا لُبِ لباب اور عطر کہا جاسکتا ہے۔ پھر تاریخی حقائق کے سلسلہ میں جو مباحث پیدا ہوگئے ہیں ضرورت ہے کہ اُن کا حل قدیم تاریخ کے تمام ذرائع معلومات کی روشنی میں تلاش کیا جائے تاکہ کلامِ الٰہی کی حقانیت و صداقت روز روشن کی طرح واضح اور مبرہن ہوجائے اسی طرح قرآنِ مجید نے قوموں کے عروج و زوال کے جو نفسیاتی اصول و قوانین بیان کیے ہیں اُن کی سچائی کا یقین دلانے کے لیے ضروری ہے کہ تاریخِ اقوام پیشِ نظر ہو۔ اور اُن کے عروج و انحطاط کے اسباب کا سُراغ لگانے کی کوشش کی جائے

خدا کا شکر ہے علامہ مرحوم کی یہ مساعی کامیاب ثابت ہوئیں۔ اور اُن کے کارناموں کو بارگاہِ ایزدی سے خلعتِ قبول و پذیرائی حاصل ہوا۔ آج مصر و شام کے علاوہ ہندوستان، افغانستان، ایران ٹرکی، جاوہ، انڈوچائنا، افریقیہ اور یورپ میں کون ایسا صاحب علم ہے جو علامہ طنطاوی کے نام سے واقف نہیں۔ اُن کی کتابوں کے ترجمے بلاد روس میں ترکی زبان میں، جاوہ میں ملائی زبان میں اور ہندوستان میں اُردو زبان میں کثرت سے شائع ہوئے اور گھر گھر پھیلے وہ جس طرح علم و فن میں یگانۂ روزگار تھے، شعر و ادب اور خطابت میں بھی اپنے ہم عصروں میں امتیاز رکھتے تھے۔ اُن کی تحریر میں بلا کا زور تھا جس موضوع پر لکھتے تھے اس قوت سے اُس کے ایک ایک پہلو پر بحث کرتے تھو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ بڑے سے بڑے مخالف کو بھی سر تسلیم خم کر دینے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا تھا۔ اُن کا طرز استدلال نہایت سلجھا ہوا اور عمیق و منطقیانہ تھا۔

ایک جلیل المرتبت علامۂ روزگار ہونے کے علاوہ آں مرحوم اپنے عہد کے زبردست اسلامی مفکر بھی تھے۔ مسلمانوں کا انحطاط اُن کے دل و دماغ کو ہر وقت بےچین رکھتا تھا اور وہ اپنی تحریر و تقریر میں برابر مسلمانوں کو اصلاح کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ انہوں نے مصر کے رسالہ "الرسالہ" بابت ۲۹۔ نومبر ۱۹۳۷ء میں "الحلقۃ المفقودہ" کے زیر عنوان ایک زبردست اصلاحی مقالہ سپرد قلم کیا تھا جس میں اُنہوں نے تمام مسلم جماعتوں اور اُن کے افراد کے رجحانات و میلانات کا تجزیہ کرکے بتایا تھا کہ آج مسلمان بحیثیت ایک قوم کے کس خطرناک طریقہ پر ذہنی انتشار اور دماغی پراگندگی میں مبتلا ہو گئے ہیں، اور اس سے نجات پانے کی تدبیر کیا ہے۔ اصلاح کے سلسلہ میں علامہ مرحوم جس خاص نقطۂ خیال کے پابند تھے اُس کا اندازہ آپ اس مضمون کے اقتباس ذیل سے کر سکتے ہیں، فرماتے ہیں: "مثلاً آپ رمضان کو ہی لے لیجیے۔ کیا اس وقت یہ ضروری نہیں ہے کہ رویت ہلال کے مسئلہ پر از سر نو غور کیا جائے۔ کیا موجودہ جمود کے ماتحت یہ بات مسلمانوں کے لیے انتہائی شرمناک نہیں ہے کہ ایک اسلامی شہر میں رمضان کی پہلی تاریخ ہفتہ کو ہوتی ہے، اور دوسرے شہر میں اتوار کو، اور تیسرے میں پیر کو۔ پھر اس اختلاف کا اثر مسلمانوں کے تمام اجتماعی کاموں پر بھی پڑتا ہے کیا کسی کو یہ امر محسوس نہیں ہوتا کہ یہ ہڑبونگ شریعت اسلام کی اصل روح کے بالکل منافی ہے، میں اس مشکل کے حل کے لیے کسی نئی بدعت کی دعوت نہیں دیتا، بلکہ وہی کہتا ہوں جو قدیم فقہاء اسلام نے کہا ہے۔ فقہاء حنفیہ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اگر چاند کسی ایک خطہ میں بھی دیکھ لیا جائے تو تمام مسلمانوں پر روزہ رکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ تو اب ہم اس قول سے فائدہ اُٹھا کر یہ کیوں نہ کریں کہ کسی ایک بڑے اسلامی شہر میں ایک رصد گاہ قائم کرلیں اور یہاں چاند دیکھنے کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس خبر کو تمام اسلامی شہروں میں بیک وقت شائع کردیا جائے۔ اور سب کو مجبور کیا جائے کہ وہ اس کی پابندی کریں۔ ہماری بڑی بدقسمتی ہے اگر ہم سائنس کی غیر معمولی ترقی کے دور میں اپنے اندر ایک جہتی پیدا کرنے کے لیے اتنا بھی نہ کرسکیں"۔

اس اقتباس سے جہاں علامہ مرحوم کی اصابت رائے، بلندی فکر، اور روشنخیالی کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ علوم وفنون میں کمال مہارت کے باوجود مذہبی معاملات میں طریق سلف سے منحرف ہوکر کسی اور نئی شاہراہ کی تلاش نہیں کرتے تھے، اور ان کے نزدیک مسلمانوں کی فلاح ونجاح کا انحصار اتباعِ سنّت وقرآن میں ہی تھا۔

ہمارے جن بزرگوں اور دوستوں کو ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے اُن سے معلوم ہوا کہ یوں بھی حضرتِ مرحوم اپنی عملی زندگی میں نہایت متقی اور پرہیزگار تھے اور شریعت کے اوامر ونواہی کا بڑا لحاظ واحترام کرتے تھے۔

آہ صد افسوس! دنیائے اسلام کا یہ سب سے بڑا مفکر وعالم چند ہفتہ بیمار رہ کر گذشتہ ماہ فروری میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر اُنہی صدیقین وشہداء سے جاملا جن کے نقشِ قدم پر وہ عمر بھر چلتا رہا، اور جن کے اتباع میں اُس کا قلم اعلاءِ کلمۃ اللہ میں برابر مصروف رہا۔

فاصبح فی لحدٍ من الارض میتاً وکانت بہ حیّاً تضیق الصحاصح

لئن حسُنت فیک المراثی وذکرھا لقد حسنت من قبل فیک المدائح

رحمہُ اللہ رحمۃً واسعۃً وامطر علیہ شآبیب الرافۃ والغفران۔

حضرت مولانا معین الدین اجمیری دوسرا حادثۂ وفات حضرت مولانا معین الدین اجمیری کا ہے، جو ۵ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ کو اجمیر میں پیش آیا۔ مولانا کی ذات ہندوستان کے علماء میں ایک نمایاں مقام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھتی تھی، وہ علم و عمل دونوں کے پیکر تھے منطق و فلسفہ میں ان کو مولانا ابوالبرکات ٹونکی مرحوم سے تلمذ خاص حاصل تھا۔ لیکن عام علماءِ منطق و فلسفہ کے برخلاف وہ دینیات اور علوم قرآن و حدیث میں بھی درخورِ وافر رکھتے تھے۔ اجمیر میں کتاب و سنت کی روشنی جو کچھ نظر آتی ہے اُنہی کے دم سے قائم تھی۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ وہ صرف اربابِ درس و تدریس اور اصحاب وعظ و ارشاد میں سے ہی نہ تھے بلکہ اُن کا شمار اُن ابطال عزیمت و حریت میں تھا جو اعلاءِ کلمۃ اللہ کی خاطر کانٹوں سے بھری ہوئی راہ کو دیکھ کر دل میں ذرا خوف و ہراس محسوس نہیں کرتے، اور "دل خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر" پڑھتے ہوئے اُسے اپنے لیے "تختۂ گل" جان کر بے خوف و خطر عبور کر جاتے ہیں اور "بخاک و خون غلطیدن" کو "عاشقانِ پاک طینت" کا شیوۂ خوش یقین کرنے کے باعث دستِ قاتل کے لیے اُن کی زبان سے بکمال خندہ پیشانی احسنت و لبیک کا نعرہ بیساختہ نکل جاتا ہے وہ جمعیۃ علماء ہند کے سرگرم کارکن تھے۔ اُنہوں نے اس مجلس کے سالانہ اجلاس امروہہ کی صدارت اُس پُر آشوب زمانہ میں کی جبکہ ہندوستان کشمکش حریت و آمریت کی طوفان خیزیوں کے باعث ایک نہایت ہی خطرناک دور سے گذر رہا تھا اور جبکہ ملک میں عام داروگیر نے سخت اضطراب و ہیجان پیدا کر رکھا تھا وہ اپنے عزائم میں پہاڑ کی طرح مضبوط تھے۔ جرم حریت کوشی کی پاداش میں جیلخانہ بھی گئے لیکن علالت کے باوجود وہ ان سب تکلیفوں کو ہنسی خوشی برداشت کر گئے اور ان کی جبین استقلال و ہمت یاس و خوف کی ایک شکن سے بھی آشنا نہیں ہوئی۔ مسلمانوں میں جو قحط الرجال پایا جاتا ہے اُس کے پیش نظر مولانا ایسی جامع کمالات اور پیکرِ علم و عمل کا سانحۂ مرگ یقیناً بہت زیادہ محسوس ہوگا۔ مولانا کا وطن اجمیر تھا، وہیں ایک مدرسہ معینیہ میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے۔ اخیر عمر تک انہوں نے اس گوشہ کو ترک نہیں کیا، اور انجامِ کار اپنے جسم کی امانت اُسی سرزمین کو سپرد کر دی جس کی آغوش میں کئی صدی سے اُنہی کے ہمنام و ہم وطن مجاہدِ اسلام کا جسد مقدس آسودۂ سکون ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی بیش از بیش

© rasailojaraid.com